اجابتِ دعوت کی شرعی حیثیت اور فقہی حکم

مؤلف

مفتی عبیدالرحمان صاحب

رئیس دارالافتاء والارشاد مردان

مکتبہ دارالتقوی مردان

تعارفِ مسئلہ / باعثِ تحریر

احادیثِ مبارکہ میں مسلمان کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مسلمان کے حقوق میں سے اس بات کو بھی گردانا گیا ہے کہ اس کی دعوت قبول کی جائے۔ پہلے زمانے میں تو اس حکم پر عمل کرنا کچھ زیادہ مشکل اس لئے نہ تھا کہ لوگوں میں سادگی کا غلبہ تھا، دل اور زبان کے درمیان فاصلے کم تھے، دور دور تک دعوت دینے کا کوئی زیادہ راج ورواج نہ تھا، لیکن اب نہ وہ سادگی رہی، نہ دل و زبان کے درمیان پہلے کی طرح ہم آہنگی برقرار رہی، دوسری طرف ذرائع ابلاغ میں بھی بے تحاشا ترقی ہوتی رہی جس کی وجہ سے دور دور تک دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، موبائل کے ذریعے ایک ہی منٹ میں سینکڑوں افراد کو دعوت دی جاسکتی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو۔اس کے ساتھ ساتھ مصروفیات اور ضروریات میں بھی حد درجہ اضافہ ہو چکا ہے، اس لئے ہر دعوت کو ضروری یا مسنون قرار دیکر اس پر عمل پیرا ہو جایا جائے تو دیگر ضروری مصروفیات ادھورے رہ جائیں گے۔اس تناظر میں ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ فقہی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کیا جائے۔

دعوت قبول کرنے کا حکم

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ مسلمان کی دعوت قبول کرنا ہی بہتر ہے، یہ اس کے حقوق میں سے ہے کہ اس کی دعوت قبول کی جائے۔ تاہم قبول کرنے کی حیثیت کیا ہے؟ واجب اور ضروری ہے یا مسنون و مستحب؟ نیز دعوتوں کی بھی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں تو ہر دعوت کا یہ حکم ہے یا اس میں کچھ فرق بھی ہے؟

اس کے متعلق جمہور اہل علم کے اقوال مختلف ہیں، فقہائے احناف کا موقف بھی آپس میں مختلف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مجموعی طور پر اس میں فقہائے حنفیہ بلکہ دیگر ائمہ مجتہدین کے درج ذیل تین قول ہیں:

ا:سب دعوتوں کا قبول کرناواجب ہے،اگر بلاوجہ کسی مسلمان کی دعوت کو قبول نہ کیاتو گناہ ہو گا۔

۲:سب دعوتوں کا قبول کرنا مسنون ہے، بلاوجہ دعوت قبول نہ کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ خلاف سنت کام ہے۔

۳:ولیمہ کی دعوت قبول کرناواجب ہے اور دیگر دعوتوں کو قبول کرنا مسنون ہے۔

"شامی" میں ہے:

وفي الهندية عن التمرتاشي: اختلف في إجابة الدعوىٰ قال بعضهم: واجبة لا يسع تركها وقال العامة: هي سنة، والأفضل أن يجيب إذا كانت وليمة وإلا فهو مخير والإجابة أفضل..وفي البناية إجابة الدعوة سنة وليمة أو غيرها، .. وفي الاختيار: وليمة العرس سنة قديمة إن لم يجبها أثم لقوله – صلى الله عليه وسلم – «من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله، فإن كان صائما أجاب ودعا، وإن لم يكن صائما أكل ودعا، وإن لم يأكل ولم يجب أثم وجفا» لأنه استهزاء بالمضيف وقال – عليه الصلاة والسلام – «لو دعيت إلى كراع لأجبت» اهـ. ومقتضاه أنها سنة مؤكدة، بخلاف غيرها وصرح شراح الهداية بأنها قريبة من الواجب. وفي التتارخانية عن الينابيع: لو دعي إلى دعوة فالواجب الإجابة إن لم يكن هناك معصية ولا

بدعة والامتناع أسلم في زماننا إلا إذا علم يقينا أن لا بدعة ولا معصية اهـ والظاهر حمله على غير الوليمة لما مر ويأتي تأمل[1]

ترجمہ:"دعوت قبول کرنے کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے: بعض کے نزدیک قبول کرنا واجب ہے اور نہ جانے کی گنجائش نہیں، جب کہ عام فقہاء کرام کے نزدیک سنت ہے۔ اگر دعوت ولیمہ کا ہو تو افضل یہ ہے کہ دعوت قبول کرے اگر ولیمہ کا نہ ہو تو پھر اختیار ہے البتہ قبول کرنا بہتر ہے۔ بنایہ میں ہے کہ: ولیمہ وغیرہ کا دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ الاختیار میں ہے کہ: شادی کے موقع پر ولیمہ کا اہتمام کرنا قدیم سنت ہے اگر کوئی ایسی دعوت قبول نہ کرے تو گنہگار ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جو دعوت قبول نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔ لہذا اگر کوئی روزہ دار ہو تو دعوت قبول کرکے وہاں جاکر دعا دے۔ اگر روزہ نہ ہو تو کھانا کھاکر دعا دے۔ اگر کوئی نہ کھانا کھائے اور نہ ویسے جائے تو گنہگار ہوا اور اچھا نہیں کیا کیونکہ یہ میزبان کی توہین ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر مجھے کسی پائے کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ ولیمہ کے علاوہ کا یہ حکم نہیں۔ شرح ہدایہ میں تصریح ہے کہ یہ دعوت واجب کے قریب ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ: اگر کسی کو دعوت دی جائے تو اگر وہاں کوئی گناہ، بدعت وغیرہ نہ ہو تو قبول کرنا واجب ہے البتہ ہمارے اس زمانہ میں نہ جانا بہتر ہے (کیونکہ عموماً دعوتوں میں منکرات کا سلسلہ چلتا ہے) البتہ اگر کہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہاں کوئی گناہ، بدعت نہیں تو الگ بات ہے۔ مگر یہ تب ولیمہ کے دعوت کے علاوہ میں ہے"۔

---

١ الدر المختار وحاشية ابن عابدين كتاب الحظر والاباحة، ج٦ص ٣٤٧

اس عبارت میں فقہائے حنفیہ کے مختلف اقوال ذکر فرمائے گئے ہیں، جن کا حاصل اوپر درج ہو چکا ہے۔ اکثر اہل علم تو ولیمہ یا ہر دعوت کو واجب کہتے ہیں لیکن عام فقہائے احناف عام طور پر دعوت قبول کرنے مسنون لکھتے ہیں چنانچہ ہماری فقہی کتابوں کے "حظر واباحت" میں یہ مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو دعوت دی جائے اور مجلس میں کوئی لہو ولعب یا گناہ کا کام شامل ہو تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اس مسئلہ کے ضمن میں ہدایہ اور بدائع وغیرہ اکثر کتابوں میں "اجابتِ دعوت" کو مسنون قرار دیا گیا ہے، تاہم بعض فقہائے کرام نے یہاں بھی سنیت اور وجوب دونوں اقوال کا ذکر فرمایا ہے، مثال کے طور پر "فتاوی قاضی خان" میں ہے:

لا بأس بأن يجيب و يطعم و ينكر معصيتهم و فسقهم لأن إجابة الدعوة واجبة أو مندوبة فلا يمتنع لمعصية اقترنت بها[1]

ترجمہ: "منکرات پر مشتمل دعوت میں لوگوں کے منکرات اور گناہ پر نکیر کرتے ہوئے دعوت قبول کر کے کھانا کھانے کی گنجائش ہے، کیونکہ دعوت قبول کرنا واجب یا مستحب ہے لہذا گناہ کی آمیزش کی وجہ سے اسے نہیں چھوڑا جا سکتا"۔

اقوال میں تطبیق کی صورت

لیکن متعدد محقق حنفیہ کے کلام کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوال کا یہ اختلاف کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہے، جو حضرات اس کو سنت کہتے ہیں، وہ اس سے سنت مؤکدہ مراد لیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ حکم کے لحاظ سے واجب کے قریب تر ہے۔ یہ ایسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ اذان اور جماعت کی فقہی حیثیت کے متعلق ہے کہ بعض اس کو سنت مؤکدہ اور بعض واجب قرار دیتے ہیں لیکن علامہ سمرقندی اور ان کے داماد علامہ

---

[1] فتاوی قاضیخان: كتاب الحظر و الإباحة وما يكره أكله وما لا يكره وما يتعلق بالضيافة، ج۳ ص۲٤۸

کاسانی رحمہ اللہ نے دونوں قولوں کو اسی طرح جمع فرمایا ہے کہ سنت مؤکدہ واجب کے قریب قریب ہوتا ہے۔

علامہ شلبی، علامہ اتقانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

(قوله: لا يتركها لأجل النائحة) لا يقال صلاة الجنازة واجبة فلا يدل عدم تركها لاقتران المعصية على عدم ترك إجابة الدعوة لاقتران المعصية؛ لأنها سنة، وهي أضعف؛ **لأنا نقول إجابة الدعوة، وإن كانت سنة إلا أنها في قوة الواجب لما روى صاحب السنن** بإسناده إلى عبد الله بن عمر - رضي الله عنهما - قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - «من دعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا» وروي في السنن أيضا مسندا إلى ابن عمر - رضي الله عنهما - أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال «إذا دعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها فإن كان مفطرا فليطعم وإن كان صائما فليدع» وروي في السنن أيضا مسندا إلى جابر قال: قال النبي - صلى الله عليه وسلم - «من دعي فليجب فإن شاء طعم، وإن شاء ترك»، ذكره في كتاب الأطعمة. اهـ أتقاني.[1]

ترجمہ: "نماز جنازہ کو نوحہ کرنے والی عورتوں کی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ چونکہ نماز جنازہ واجب ہے لہذا گناہ کی وجہ اسے نہ چھوڑنے سے

---

[1] حاشية الشلبي على تبيين الحقائق كتاب الكراهية، ج٦ص ١٣

یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دعوت جو کہ سنت ہے وہ بھی ترک نہ کی جائے، کیونکہ سنت کا مرتبہ واجب سے کم ہے، کیونکہ دعوت قبول کرنا اگرچہ سنت ہے مگر واجب کی طرح اہمیت کا حامل ہے۔ سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی منقول ہے کہ: "دعوت ملنے کے بعد قبول نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے اور جو دعوت کے بغیر شامل ہو جائے تو وہ چور داخل ہوتا ہے اور ڈاکو کی طرح وہاں سے نکلتا ہے"۔ نیز دوسری روایت میں ہے کہ: "جسے ولیمے کی دعوت دی جائے تو وہ ضرور شرکت کرے اگر روزہ نہ ہو تو کھانے میں شریک ہو جائے اور اگر روزہ دار ہو تو نہ کھائے"۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ: جسے دعوت ملے وہ ضرور شریک ہو جائے اگر چاہے تو کھائے ورنہ نہ کھائے (ویسے شریک ہو جائے)۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمان کی دعوت قبول کرنا بالاتفاق مستحسن اور باعث ثواب کام ہے، تاہم فقہی حیثیت سے متعلق اہل علم کے اقوال مختلف ہیں، بعض کے نزدیک مسنون اور بعض کے نزدیک واجب ہے، جبکہ بعض دعوت ولیمہ اور اس کے علاوہ دعوتوں میں فرق کرتے ہیں لیکن سنت سے چونکہ یہاں سنت مؤکدہ مراد ہے، اس لئے نتیجہ کے لحاظ سے ان دونوں اقوال میں کوئی زیادہ فرق باقی نہیں رہتا۔

دعوت قبول کرنے کی شرائط

جس طرح مختلف روایات میں مسلمان کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان روایات کی بناء پر حضرات فقہائے کرام نے بھی اس کو واجب یا سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، یوں ہی متعدد روایات میں بعض دعوتوں اور ان کے قبول کرنے کی حوصلہ شکنی بھی فرمائی گئی ہے اور فقہائے کرام نے ان جیسی روایات و وجوہات کی بناء پر متعدد دعوتوں کے قبول کرنے کو غیر ضروری یا مکروہ بھی قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی ہر قسم دعوت قبول کرنا

ضروری یا مسنون نہیں ہے بلکہ بعض دعوتیں ایسی بھی ہیں جن کا قبول کرنا ضروری یا مسنون نہیں ہوتا۔ "اجابتِ دعوت " کے مسنون ہونے کی کچھ شرائط ہیں، اگر وہ شرائط مکمل موجود ہوں تو ایسی دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو ایسی دعوت کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ شرائط کونسی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو شرائط متعدد ہیں لیکن اگر ان سب کی کوئی جامع تعبیر ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ دعوت قبول کرنے میں کوئی شرعی مانع موجود نہ ہو، چاہے وہ مانع جواز سے ہو یا وجوب سے۔ "مرقاۃ" میں ہے:

" ومن دعاكم " أي إلى دعوة " فأجيبوه " أي إن لم يكن مانع شرعي ".[1]

ترجمہ: "اگر کوئی شرعی مانع نہ ہو تو جب دعوت ملے اسے قبول کریں"۔

علامہ عبد الرؤوف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ومن دعاكم فأجيبوه) وجوبا إن كان لوليمة عرس وتوفرت الشروط المبينة في الفروع وندبا في غيرها.[2]

ترجمہ: "اگر دعوت ولیمہ ہو اور تمام ضروری شرائط پوری ہوں تو جب کوئی دعوت دے تو اسے قبول کرنا واجب ہے، اگر ولیمہ کے علاوہ ہو تو پھر مستحب ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ شرعی مانع کے ہوتے ہوئے دعوت قبول کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اب یہ موانع کون کونسے ہیں؟ ذیل میں انہی کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے اور فہم میں سہولت پیدا کرنے کی خاطر ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ضبط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح كتاب الزكاة ،باب فضل الصدقة ،ج٤ ص ١٣٥٥

[2] فيض القدير حرف الميم،رقم الحديث: ١٠٩٦٥ ،ج٦ ص ٥٥

قبول دعوت کے موانع

دعوت دینے کے لحاظ سے موانع

کسی کی دعوت قبول کرنا تبھی ضروری ہے جبکہ وہ عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہو۔ مسلمان ہونا تو اس لئے ضروری ہے کہ حدیث میں اجابتِ دعوت کو مسلمان کے حقوق میں سے شمار کیا گیا ہے اور اس سیاق میں روایات میں "مسلم" کے لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ ان حقوق کی اصل بنیاد یہی اسلام اور مسلمان ہونا ہی ہے، لہٰذا کافر کی دعوت قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ باقی تین شرائط (عقل، بلوغ، آزادی) کی وجہ واضح ہے کہ دعوت تو احسان وتبرع کا کام ہے اور اس کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں یہ تین صفات موجود ہوں، ورنہ تو مجبور ہو گا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ دعوت کرنے کا مقصد فخر ومباہات کرنا، ریاء وشہرت حاصل کرنا نہ ہو۔ اس شرط کی وجہ وہ روایات ہیں جن میں اس طرح دعوتوں کے قبول کرنے کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ "سنن ابی داؤد" میں ہے:

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْخِرِّيتِ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ، يَقُولُ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: «إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ أَنْ يُؤْكَلَ»[1]،

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے کے مقابلے میں دعوت کرنے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے"۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس کا معنی لکھتے ہیں:

---

[1] سنن أبي داود كتاب الأطعمة باب في طعام المتبارِيَين ،ج٣ص٣٤٤

(المتبارين) بارىٰ فلان فلاناً: إذا عارض فعلَه بفعله.[1]

ترجمہ: "متبارین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں کام کریں"۔
اس طرح دعوت کرنے کا مقصود کیا ہوتا ہے اور اس کو قبول کرنا کیوں ممنوع ہے؟ علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يقال تبارىٰ الرجلان إذا فعل كل واحد منهما مثل فعل صاحبه ليرىٰ أيهما يغلب صاحبه، وإنما كره ذلك لما فيه من الرياء والمباهاة ولأنه داخل في جملة ما نهي عنه من أكل المال بالباطل[2].

ترجمہ: " مقابلہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی طرح اس وجہ سے کام کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون غالب آتا ہے۔ یہ طریقہ ریا اور فخر کی وجہ سے مکروہ ہے، نیز یہ بھی ناجائز طریقے سے مال کھانے کی ممنوع صورتوں میں داخل ہے"۔

معلوم ہوا کہ اس طرح دعوت کا اصل مقصود باہم مقابلہ کرنا اور اپنی برتری وعظمت جتلانا ہوتا تھا۔ اور اس کو قبول کرنے کی ممانعت اسی بنیاد پر ہے کہ دعوت کرنے والے کی نیت صاف نہیں ہے، اس کا مقصود کسی مسلمان کے ساتھ تعاون کرنا یا اس کو خوش کرنا نہیں ہے بلکہ اپنی برائی دکھانا مطلوب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر داعی کی نیت درست نہ ہو، خواہ درست نہ ہونے کی کوئی بھی وجہ ہو، تو اس کی دعوت قبول کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

---

[1] جامع الأصول، الكتاب الأول في الكسب والمعاش، الفصل الثالث: في المكروه والمحظور من المكاسب والمطاعم، ج١٠ ص ٥٩٧

[2] معالم السنن كتاب الأطعمة ،ومن باب طعام المتباريين ،ج٤ص ٢٤٠

البتہ بلا وجہ کسی مسلمان پر بدگمانی کرنا مذموم ہے، اس لئے جب تک کوئی خاطر خواہ قرینہ موجود نہ ہو تو کسی مسلمان کے متعلق ایسا تصور کرنا درست نہیں ہے۔ "درر مباحہ" میں ہے:

وهذا كله إذا علم بالقرائن الواضحة، لا مطلق القرينة، لأنها من سوء الظن المحرم[1]

ترجمہ: "یہ بات تب ہے جب کسی واضح قرینہ سے اس کی نیت کا پتہ چلے (بغیر کسی تسلی بخش قرینہ کے یہاں احتمال کے درجہ کی) محض قرینہ کا یہاں اعتبار نہیں کیونکہ یہ ناجائز بدگمانی کی ایک شکل ہے"۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ داعی "طیبِ نفس" یعنی دلی رضامندی کے ساتھ دعوت دے رہا ہو۔ یعنی اصل دعوت کا انتظام واہتمام بھی دلی رضامندی کے ساتھ کیا ہو اور کسی شخص کو بھی ایسی ہی رضامندی کے ساتھ بلائے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی دلی خوشی کے بغیر ہو تو ایسی دعوت کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ ایک یہ اعلان بھی فرمایا کہ:

اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ[2]،

---

١ الدرر المباحة في الحظر والإباحة مطلب في إجابة الدعوة. ص٩)

٢ مسند أحمد ط الرسالة حديث عم أبي حرة الرقاشي رقم الحديث: ٢٠٦٩٥ ،ج٣٤ص ٢٩٩

ترجمہ: "میری بات سنو، تمھیں زندگی گزارنی ہے تو کسی پر ظلم مت کرو، کسی پر ظلم مت کرو، کسی پر ظلم مت کرو، بے شک کسی شخص کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں"۔

مدعو کے لحاظ سے موانع

مدعو شخص کے لحاظ سے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، مسلمان اور آزاد ہو، پہلی تین شرائط تو اس لئے ہیں کہ اس کے بغیر کوئی شخص شرعی احکام کا مکلف ہی نہیں ہوتا، اور آزاد ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ غلام شخص اپنی اوقات کا از خود مالک و مختار نہیں ہوتا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ متعین شخص ہو، اگر مجمع عام میں دعوت کا اعلان کیا جائے اور کسی شخص کو متعین طور پر دعوت نہ دی جائے تو اس کا قبول کرنا بھی ضروری معلوم نہیں ہوتا، البتہ مجمع عام کو دعوت دی جائے لیکن استغراق کے لفظ کے ساتھ، مثال کے طور پر دس بیس افراد کے مجمع کو کہا جائے کہ تم سب کو / تم میں سے ہر ہر شخص کو میری طرف سے فلاں دن کھانے کی دعوت ہے تو بظاہر سب کی طرف دعوت کا حکم متوجہ ہو گا۔ اس شرط کے متعلق کوئی صریح جزئیہ تو نہیں مل سکا، لیکن بظاہر قواعد سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ متعین طور پر دعوت نہ دینے کی صورت میں کسی کو مدعو نہیں قرار دیا جاتا، اور "اجابت دعوت" ضروری ہونے کی علت پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو متعین طور پر دعوت ملی ہی نہیں ہے، اس کے نہ آنے سے داعی کا دل کیونکر دُکھے گا؟

چھٹی شرط یہ ہے کہ اس کو پہلے سے کسی اور نے دعوت نہ دی ہو، اگر پہلے سے کسی نے دعوت دی ہے اور جو وقت مقرر کیا ہے، اسی وقت کوئی دوسرا شخص بھی آکر دعوت دیتا ہے تو اس دوسری دعوت کو قبول کرنا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ ایسی صورت حال میں روایات میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ پہلی دعوت کو قبول کیا جائے۔ "مسندِ احمد" میں ہے:

عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَأَجِبْ أَقْرَبَهُمَا بَابًا، فَإِنَّ أَقْرَبَهُمَا بَابًا أَقْرَبُهُمَا جِوَارًا، فَإِذَا سَبَقَ أَحَدُهُمَا فَأَجِبِ الَّذِي سَبَقَ [1] "

ترجمہ:"ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ: اگر دو دعوت دینے والے حضرات جمع ہو جائیں(یعنی دو شخص ایک ساتھ دعوت دے دیں اور دعوت کا وقت بھی ایک ہو)تو جس کا دروازہ نزدیک ہو اس کی دعوت قبول کیجئے، کیونکہ جس کا گھر نزدیک ہو وہ قریبی پڑوسی ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی پہلے دعوت دے چکا ہے تو پھر پہلے دعوت دینے والے کی دعوت قبول کیجئے"۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ مدعو شخص معذور نہ ہو۔ اگر وہ اس حد تک معذور ہو کہ دعوت قبول ہی نہیں کر سکتا یا دعوت قبول کرنے کی صورت میں نا قابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو ایسی دعوت کا قبول کرنا بھی ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ "تکلیف بشرط استطاعت اور بقدرِ استطاعت ہوتی ہے"۔

اس باب میں عذر کا معیار

البتہ یہاں عذر کا معیار کیا ہو گا؟ مثال کے طور پر دعوت قبول کرنے کی صورت میں تکلیف کا سامنا تو ہو لیکن نا قابل برداشت حد تک تکلیف نہ ہو تو ایسی دعوت قبول کرنے کا کیا حکم ہو گا؟ نیز اس تکلیف و مضرت سے صرف بدنی تکلیف ہی مراد ہے یا مالی خرچ بھی؟ مثال کے طور پر دعوت ایسی جگہ ہے جہاں جانے کے لئے کرایہ وغیرہ کا خرچ آئے گا؟ اس کو بھی عذر سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اس کے متعلق کوئی صریح جزئیہ ابھی تک نہیں ملا۔ اہلِ علم قواعد کی روشنی میں اس پر غور فرمالیں۔

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة حديث رجل،رقم الحديث:٢٣٤٦٦،ج ٣٨ص ٤٥٢)

البتہ داعی کے لئے مناسب یہی ہے کہ جس شخص کے لئے دعوت قبول کرنا تکلیف کا باعث بن سکتا ہو، اس کو بالکل دعوت نہ دے یا اگر اس کی دل جوئی مقصود ہو تو جزم کے ساتھ دعوت نہ دی جائے بلکہ ساتھ اختیار بھی دیا جائے۔اسی طرح جس شخص کو دعوت دی جائے، اس کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ تھوڑی بہت تکلیف کی وجہ سے دعوت کے قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرے بلکہ مسلمان بھائی کی دلی خوشی کے لئے کچھ تکلیف گوارا فرمائے۔

علامہ نحلاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا ينبغي أن يمتنع عن الإجابة لبعد المسافة، كما لا يمتنع لفقر الداعي، وعدم جاهه، بل كل مسافة يمكن احتمالها في العادة، لا ينبغي أن يمتنع لأجل ذلك. **وينبغي أن لا يدعو من يعلم أنه يشق عليه الإجابة، وإذا حضر تأذى بالحاضرين، بسبب من الأسباب**[1]...

ترجمہ:"دوری کی وجہ سے یا داعی کی غربت یا کم حیثیت ہونے کی وجہ سے دعوت ٹھکرانا مناسب نہیں، بلکہ جس قدر مسافت عام طور پر قابل برداشت ہو اس حد تک مسافت کی وجہ سے دعوت سے نہ رکے۔البتہ دعوت دینے والے کو چاہیے کہ ایسے شخص کو دعوت نہ دے جسے قبول کرنے کی صورت میں مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، یا جس کی حاضری کی وجہ سے حاضرین کو پریشانی لاحق ہوتی ہے"۔

---

[1] الدرر المباحة في الحظر والإباحة مطلب في إجابة الدعوة، ص ٩

خود دعوت کے لحاظ سے موانع

دعوت کے لحاظ سے بنیادی شرط یہی ہے کہ اس کے قبول کرنے میں کوئی ناجائز امر شامل نہ ہو۔ یہاں "ناجائز" کے لفظ سے عام طور پر گانا بجانا اور اس جیسی چیزیں ہی سمجھی جاتی ہیں لیکن در حقیقت یہ لفظ ان چیزوں سے عام ہے، مثال کے طور پر:

الف: دعوت قبول کرنے کی صورت میں کسی ناجائز چیز یا غلط نظریہ کی تائید ہوتی ہو۔ ب: بد نظری ہوتی ہو۔

ج: حرام مال کھانے اور استعمال کرنے کی نوبت آتی ہو۔ کہ دعوت کا انتظام خالص حرام مال یا ایسے مخلوط آمدنی سے کیا گیا ہو جس کا اکثر حصہ حرام ہو۔ د: نماز یا جماعت فوت ہوتی ہو۔

یہ سب چیزیں "ناجائز امر" میں داخل ہیں اور اگر کہیں کسی دعوت کے قبول کرنے کی صورت میں ان جیسے ناجائز امور کا نوبت آنا یقینی ہو یا اس کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں ایسی دعوت کو قبول کرنا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرات فقہائے کرام نے غیبت کرنے، سننے کو بھی اس باب میں عذرِ مانع قرار دیا ہے چنانچہ "شامی" میں "فتاوی تتارخانیہ" سے نقل کیا گیا کہ:

(قوله لا ينبغي أن يقعد) أي يجب عليه قال في الاختيار لأن استماع اللهو حرام والإجابة سنة والامتناع عن الحرام أولى اهـ **وكذا إذا كان على المائدة قوم يغتابون لا يقعد فالغيبة أشد من اللهو واللعب تتارخانية**[1]

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين كتاب الحظر والاباحة، ج٦ص٣٤٨

ترجمہ:"کسی گناہ کے ہوتے ہوئے دعوت کی جگہ رکنا جائز نہیں، اختیار میں ہے کہ چونکہ ناجائز چیز کا سننا حرام ہے اور دعوت قبول کرنا سنت ہے تو سنت کے مقابلے میں حرام سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔ اگر دستر خوان پر بیٹھے لوگ غیبت میں مبتلا ہو تو بھی وہاں بیٹھنا جائز نہیں، کیونکہ غیبت گانے سے بھی بڑی گناہ ہے"۔

اس بات کی تائید "سنن ابی داؤد" کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

عن سفينة أبي عبد الرحمن: أن رجلا، أضاف علي بن أبي طالب فصنع له طعاما فقالت: فاطمة لو دعونا رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم فأكل معنا فدعوه فجاء فوضع يده على عضادتي الباب فرأىٰ القرام قد ضرب به في ناحية البيت فرجع فقالت فاطمة: لعلي الحقه فانظر ما رجعه فتبعته فقلت: يا رسول الله ما ردك فقال: «إنه ليس لي أو لنبي أن يدخل بيتا مزوقا»[١]

ترجمہ:"حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مہمان نوازی کر کے کھانا تیار کیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: اگر ہم حضور ﷺ کو بھی دعوت اور کھانے میں شامل کریں (تو بہتر ہوگا) چنانچہ انہوں نے آپ کو کہلا بھیجا، آپ نے ﷺ تشریف لے کر دونوں ہاتھ دروازے کے بازوں پر رکھ کر دیکھا کہ ایک نقشین پردہ گھر کے ایک کونے میں لٹکا ہوا تھا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ واپس ہوئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے پاس جا کر معلوم کرے کہ کس وجہ سے آپ واپس

---

[١] سنن أبي داود كتاب الأطعمة باب إجابة الدعوة إذا حضَرها مكروه ،ج٣ص ٣٤٤

ہوئے؟ چنانچہ حضرت علی آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! کس چیز نے آپ کو واپس کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے لیے یا کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ نقش و نگار والے گھر میں داخل ہو"۔

حضور ﷺ اس دعوت سے کیوں واپس آگئے؟ اور کیوں دعوت دینے والے کے دعوت کو عملی طور پر مسترد فرمایا؟ محدثین کرام نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، کسی نے فرمایا کہ اس پردے میں تصویر تھی اور کسی نے اس کے علاوہ بھی توجیہات فرمائی ہیں۔ لیکن بہر حال اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں دعوت قبول کرنے کی صورت میں کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرنا پڑے، اس کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ یوں ہی دعوت قبول کرنا زیادہ سے زیادہ مسلمان کا حق ہے اور ضابطہ ہے کہ "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت بالکل جائز نہیں ہے"۔

ناکارہ عبید الرحمن۔

۲۷ رجب ۴۴ھ۔ بعد نماز عشاء،

حکم اجابت دعوت فاسق

المعجم الكبير للطبراني (١٨/ ١٦٨)

٣٧٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خُلَيْدٍ الْحَلَبِيُّ، ثنا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مُطَرِّفٍ أَبُو سُفْيَانَ السَّرُوجِيُّ، ثنا أَيُّوبُ بْنُ أَبِي هِنْدَ، ثنا مَرْوَانُ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِينَ»

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ،باب دعوة الفاسق،ج٤ص ٥٤

٦١٦٦ - عن عمران بن حصين قال: «نهى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن إجابة طعام الفاسقين».

رواه الطبراني في الأوسط، والكبير، وفيه أبو مروان الواسطي، ولم أجد من ترجمه.

المداوي لعلل الجامع الصغير وشرحي المناوي (٦/ ٤٩٨)

٣٦٢٣/ ٩٤٤٨ - "نَهَى عَنْ إِجَابَةِ طَعَامِ الفَاسِقِينَ".

(طب. هب) عن عمران قال في الكبير: قال الهيثمى بعد ما عزاه للطبرانى: فيه أبو مروان الواسطى، ولم أجد من ترجمه اهـ. وأقول: فيه من طريق البيهقى أبو عبد الرحمن السلمى، وقد سبق أنه كان يضع الحديث.

قلت: هذا من فضول الشارح وجهله بالحديث ورجاله، فالطبرانى قد خرج الحديث في معجمه [١٨/ ١٦٨، رقم ٣٧٦] من غير أن يكون لأبي عبد الرحمن السلمى دخل فيه، بل قد يكون الطبرانى كتبه قبل

ولادة أبي عبد الرحمن الذي توفي بعد الطبراني باثنين وخمسين عاما، ثم إن أبا عبد الرحمن السلمي إمام حافظ ثقة جليل القدر وكل من قال فيه كذاب فهو الكذاب على الحقيقة، إنما اتهموه بذلك لكونه كان صوفيًا متكلما بلسان أهل الحقيقة.

والعجب من هذا الشارح، كيف ينعق كل ما جرى ذكر أبي عبد الرحمن السلمي بأنه وضاع مع براءته من الأحاديث التي يعللها به وورودها من غير طريقه كما رأيت في هذا الحديث. مع أنه يزعم مخالطة الصوفية وخدمتهم وألف في طبقاتهم كتابين، ولعله لم يدر أن هذا هو المذكور في الطبقات من أئمة الصوفية وفي كتب تراجم الحفاظ أنه من كبارهم.

والحديث خرجه أيضًا الدولابي في الكنى قبل ولادة أبي عبد الرحمن السلمي أيضًا، قال الدولابي [١/ ١٩٤]:

أخبرني أحمد بن شعيب أنبأنا أحمد بن سليمان ثنا عبد الرحيم بن مطرف ثنا أيوب بن أبي هند الحراني أبو سليمان الفراء أخبرني أبو مروان عن الحسن عن عمران بن حصين قال: "نهانا رسول اللهَّ -صلى اللهَّ عليه وسلم- عن إجابة طعام الفاسقين".

المنهيات (ص: ١٠٥)

إجابة الفاسقين ومجالستهم ومحادثتهم

وأما قوله: (ونَهَىٰ عن إجابة طعامِ الفاسـقين، ومجالسـتهم ومحادثتهم) .فالخروج علىٰ وجهين: فمنهم من فسـق عن أمر به مردا أو تكبرا أو جحودا، ومنهم من فسـقعن أمره فتنىٰ وتمردا علىٰ ربه. فهذا فاسـق وليس بكافر؛ فالأول مجترئ علىٰ الله، وهذا مجترئ بقوة التوحيد. فالرجاء العظيم الذي في حشو توحيده، والمحبة، والأثرة التي احتسشت النفس بها من ربه، فتجرأت.

والمجيب لدعوة الفاسـق عون له علىٰ ما هو فيه من الشر ـ والفتنة والمعصية؛ وفي مجالستهم توقير لهم، وفي محادثتهم أنس بهم؛ فهذا كله عون، وقال الله تعالىٰ: (وَلا تَعاوَنوا عَلَىٰ الإِثمِ وَالعُدوانِ) .

الهداية في شرح بداية المبتدي (٤/ ٣٦٥)

قال: "ومن دعي إلىٰ وليمة أو طعام فوجد ثمة لعبا أو غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل" قال أبو حنيفة رحمه الله: ابتليت بهذا مرة فصـبرت. وهذا لأن إجابة الدعوة سنة. قال عليه الصلاة والسلام: "من لم يجب الدعوة فقد عصىٰ ـ أبا القاسـم" فلا يتركها لما اقترن بها من البدعة من غيره، كصلاة الجنازة واجبة الإقامة وإن حضرتها نياحة، فإن قدر علىٰ المنع منعهم، وإن لم يقدر يصـبر، وهذا إذا لم يكن مقتدىٰ به، فإن كان مقتدىٰ ولم يقدر علىٰ منعهم يخرج ولا يقعد؛ لأن في ذلك شـين الدين وفتح باب المعصية علىٰ المسلمين،